© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد سلیمان اطہر

شیخ الکلؒ کی سیاسی زندگی

قسط (۲) آخری

مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے لکھا تھا کہ مولوی نذیر حسین کے گھر ایک میم چھپی بیٹھی تھی - اس بات کو آج تک کے مصنفین جان بوجھ کر غلط انداز میں پیش کئے جا رہے ہیں - پورا واقعہ "الحیاۃ بعد المماۃ" میں موجود ہے کہ حضرت میاں صاحب دورانِ جنگ ایک روز بعد نمازِ عصر اپنے ایک شاگرد کے ہمراہ باہر گئے - راستے میں ایک جگہ کسی زخمی کے کراہنے کی آواز سنی - آپ نے ادھر ادھر دیکھا تو ایک مسمار شدہ مکان کے پیچھے ایک انگریز عورت کو زخموں سے چور پڑی ہوئی پایا - وہ آپ کو دیکھ کر گھبرا گئی کہ کہیں جان سے نہ مار ڈالیں - آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم مسلمان ہیں - ہمارے دین میں کسی عورت پر ہاتھ اٹھانا منع ہے خواہ وہ دشمن کی عورت ہو، چہ جائیکہ وہ زخمی بھی ہو - اگر تم چاہو تو ہم تمہیں اپنے گھر لئے چلتے ہیں، زخموں کی مرہم پٹی کرینگے اور جونہی تم چلنے پھرنے کے قابل ہوئیں جہاں تم چاہو گی پہنچا دیں گے - عورت کہنے لگی، ایک تو میں اپنے پاؤں چل کر جا نہیں سکتی - اور اگر آپ لوگ اٹھا کر لے بھی چلیں تو فسادی دیکھتے ہی گولی مار دیں گے - اس پر میاں صاحب نے فرمایا کہ ہم اندھیرے کا انتظار کرتے ہیں - رات کی تاریکی میں تمہیں لے جائیں گے - پھر ایسا ہی ہوا اور گھر جا کر اپنی اہلیہ سے فرمایا، یہ مظلوم ہے، اس کی خوب خدمت کرو کیونکہ یہ موجب خوشنودیٔ خدا و رسول ہے - حکیم کا انتظام کیا گیا، ساڑھے تین ماہ یہ عورت میاں صاحب کے گھر رہی - اس دوران خاندان کے جوان لڑکوں کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی - جب وہ تندرست ہو گئی تو اسے نہایت احتیاط سے دہلی سے باہر انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا گیا - جاتے ہوئے اس عورت نے کہا کہ میں آپ کا یہ احسان کبھی فراموش نہ کروں گی - آپ کا یہ حسنِ سلوک مجھے ہمیشہ یاد رہے گا -

یہ واقعہ ہے جسے انگریزوں سے میاں صاحب کی وفاداری ثابت کرنے کے لئے ہمارے احباب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال کیا کرتے ہیں اور جس کا طعنہ مولوی ذکار اللہ نے دیا ہے۔ اول تو یہ واقعہ ابتدار جنگ کا ہے جبکہ انگریز کے قدم نہ صرف دہلی بلکہ سارے ملک سے اکھڑ چکے تھے۔ ہر جگہ ان کا قتلِ عام جاری تھا۔ بظاہر ان کا بستر گول کر دیا گیا تھا۔ دہلی پر بہادر شاہ ظفر کی افواج کا کنٹرول ہو گیا تھا اور کوئی آثار اس بات کے نظر نہ آتے تھے کہ انگریز دوبارہ یہاں حاکمانہ طریق سے قدم رکھ سکتے ہیں۔ ان حالات میں ان کی ایک زخمی عورت کو اس خیال سے پناہ دینا کہ یہ مجھے انعام واکرام سے مالا مال کروائے گی یا میں انگریزوں کی نظر میں معزز ہو جاؤں گا، احمقانہ بات تھی۔ اس کے برعکس عورت کو پناہ دینے سے خود میاں صاحب کی جان کو خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ خود اس عورت نے بھی کہا تھا اور جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت بھی کر دیا کہ جونہی آپ کے گھر میں انگریز عورت کی موجودگی کی خبر باہر نکلی، ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جو بہادر شاہ ظفر کے حکم سے شہزادوں نے آکر فرو کیا۔ اس کے علاوہ بھی بعض انگریز عورتوں کو پناہ دینے کے واقعات ہوئے لیکن پناہ دینے والوں کے گھر لٹ گئے اور جانیں ضائع ہو گئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "۱۸۵۷ء" از مولانا غلام رسول مہر!

اس کے باوجود میاں صاحب نے اپنی جان کا خطرہ مول لیا کیوں؟ اس لیے کہ وُہ ایک سچے مسلمان تھے اور قرآن و حدیث کے اس حکم سے آگاہ تھے کہ دورانِ جنگ یا عام حالات میں دشمن کے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ اٹھانا جرم ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ جس شخص نے قرآن و سنت پر عمل کیا، وہ تو انگریزوں کا ایجنٹ ثابت کیا جا رہا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس عورت کو زخمی کیا یا دیگر بیشمار انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کیا، وہ مجاہد ثابت کئے جاتے ہیں۔ کیا یہی اسلامی تعلیمات ہیں؟

اب رہا انعام واکرام کا قصہ، کہا جاتا ہے کہ انگریزوں نے اس موقع پر آپ کی وفاداری کے صلہ میں آپ کو انعام واکرام سے نوازا اور ثبوت کے طور پر وہ سرٹیفیکیٹ پیش کئے جاتے ہیں جو مصنف "الحیاۃ بعد المماۃ" نے درج کئے ہیں۔ سرٹیفیکیٹ انگریزی میں ہیں۔ صاحب "الحیاۃ بعد المماۃ" مولوی فضل حسین بہاری شاید انگریزی نہ جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی سے پوچھ کر اس کا اردو ترجمہ بھی کتاب میں درج کر دیا۔ بتانے والے نے غلط بتایا۔ اور یہ غلطی پہلے ایڈیشن میں بھی موجود ہے اور کراچی سے شائع ہونے والے "تازہ ایڈیشن میں بھی مکھی پر مکھی ماری گئی ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب پر، جن کے متعلق ہمارا گمان ہے کہ وہ انگریزی زبان سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں، جنہوں نے شیخ الکل کو رگیدنے کے لئے یہی غلط ترجمہ اپنے مضمون میں درج کر دیا ہے۔ صاحب "الحیاۃ"، اور پروفیسر قادری صاحب نے تین انعامی رقوم ۷۰۰، ۴۰۰، ۲۰۰ یعنی کل تیرہ سو کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اصل سرٹیفیکیٹ میں صرف دو رقوم کا ذکر ہے۔ عبارت یوں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"THE FAMILY RECIEVED A HANDSOME REWARD OF RS. 400 - RS. 700 - COMPENSATION FOR THE DEMOLITION OF HOUSES BESTOWED UPON THEM."

جس کا ترجمہ یوں ہے کہ :

"سید نذیر حسین کے خاندان کو مکانات کے انہدام کے معاوضے کے طور پر سات سو اور چار سو روپے کی رقوم دی گئیں۔"

گویا اصل سرٹیفکیٹ پڑھا جائے تو جہاں رقوم میں غلطی کا انکشاف ہوتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ رقوم کیوں دی گئی تھیں ؟

واقعہ یوں ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل سید نذیر حسین مسجد اورنگ آبادی میں پڑھاتے رہے تھے اور اس کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے۔ بعد جنگ یہ سارا محلہ مع مسجد اور مکان کے انگریزوں نے مسمار کر دیا تھا۔ اور اس منہدم شدہ مکان کے معاوضہ کے طور پر مبلغ گیارہ سو روپیہ میاں صاحب کو دیا گیا۔ اس میں انعام واکرام اور وفاداری کی کون سی بات ہے ؟ تاہم اگر اس بات پر اصرار ہو کہ یہ رقم آپ کو انگریز عورت کی وجہ سے دی گئی تھی، تو صاحب من! ایک ایسی زخمی عورت جو اپنے قدموں چل بھی نہ سکتی ہو اور قریب المرگ ہو، اسے اپنے گھر لے جا کر مسلسل ساڑھے تین ماہ تک اس کا علاج معالجہ کیا گیا، علاج کے علاوہ زخمی کو مخصوص خوراک اور دیگر سہولتیں دی گئیں، کیا اتنے عرصہ میں اس قدر خرچ نہیں ہو سکتا تھا ؟ اور میاں صاحب نے خود کوئی تقاضا بھی نہیں کیا تھا، عورت نے احسان کو نہیں بھلایا اور کسی نہ کسی طریق سے ادائیگی کی کوشش کی تو اسے ایک بیمار کا حق الخدمت تو کہا جا سکتا ہے، انگریز کی ایجنٹی نہیں کہا جا سکتا۔

یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر میاں صاحب نے یہ سب کچھ موجب خوشنودی خدا و رسول سمجھ کر کیا تھا تو پھر یہ رقوم قبول کیوں کیں ؟ بات یہ ہے کہ انگریز دوبارہ حکمران بن گیا تھا، اس کا غضب عروج پر تھا۔ تھوڑے سے شبہے پر پھانسی دے دی جاتی تھی۔ خود میاں صاحب پھانسی کے تختے تک پہنچ چکے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، "حیاۃ النذیر" جس میں لکھا ہے کہ جنگ کے بعد بہت سے لوگ گرفتار ہوئے، ان میں میاں صاحب بھی تھے۔ انہیں داخلِ حوالات کر دیا گیا۔ اگلے روز پھانسی دینے کے لئے لے گئے اور سب کو ایک قطار میں بٹھا دیا گیا۔ ایک بخشی انگریزوں کے ساتھ تھا جو حاکم کو نشاندہی کرتا جاتا کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اس طرح ایک ایک کو پھانسی دی جا رہی تھی۔ جب میاں صاحب کی باری آئی تو بخشی نے کہا کہ یہ دہلی کے بساطی ہیں۔ حاکم نے آپ کو کم اہم آدمی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس طرح تختۂ دار سے واپسی ہوئی۔ تاہم آپ کی اہلیہ کے بھائی عبد القادر صاحب جن سے اس انگریز عورت کا علاج کیا تھا وہ پھانسی پا چکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ ان حالات میں اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کرنا بدترین نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ مخبر آپ کی باغیوں کے ساتھ وفاداری کو ثابت کرنے کے لئے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور آپ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ یہ سب باتیں آپکے ذہن میں تھیں اس لئے آپ نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔

اس کے باوجود بھی اگر کسی کو اصرار ہو کہ میاں صاحب بہرحال انگریزوں کے وفادار اور خیرخواہ تھے تو ان تفصیلات پر ایک نظر پھر ڈال لیجئے جو ہم گزشتہ شمارے میں پیش کر چکے ہیں اور وہ تمام تفصیلات اس جنگ کے بعد کی ہیں۔ انگریزوں کو اگر آپ کی وفاداری کا یقین تھا تو مقدمہ انبالہ، راولپنڈی کی تفتیش اور نظر بندی، موت کی دھمکیوں اور تاعمر خفیہ پولیس کی نگرانی کے کیا معنی ؟

مولوی ذکاء اللہ نے ایک اور بہت بے بنیاد سی بات کہی ہے کہ سید نذیر حسین کبھی محاذِ جنگ پر لڑنے کیلیئے نہیں گئے، اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انگریز کے طرفدار اور مجاہدین کے مخالف تھے۔ اس بات کو پروفیسر قادری صاحب نے بھی دوہرایا ہے۔ لیکن ان حضرات کو بخوبی معلوم ہے کہ ہر آدمی کا کام فتویٰ دینا نہیں ہے۔ اسی طرح ہر آدمی کا کام لڑنا بھی نہیں ہوتا۔ ہر شخص کا اپنا اپنا میدان ہے۔ بخت خاں اگرچہ ہندی افواج کا سپہ سالار تھا لیکن فتویٰ پر اس کے دستخط کہاں ہیں ؟ فتویٰ علماء سے ہی لیا جاتا ہے اور میدان میں سپاہی جایا کرتے ہیں۔

جناب ایوب قادری صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی نذیر احمد کو جب ڈپٹی بنایا گیا تو سید نذیر حسین کے صاحبزادے نے کہا کہ یہ عہدہ میرے باپ کا حق تھا۔ اور اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں مخاصمت پیدا ہوگئی۔ یہ الزام لگانے والے میاں صاحب کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ وہ اگر نوکری کرنا چاہتے تو مفتی صدرالدین صدرالصدور نہ ہوتے۔ آپ ۱۸۵۷ء کے تاریخی روزنامچہ میں بہادر شاہ ظفر کے ریمارکس پڑھ لیجئے۔ جو انہوں نے سید نذیر حسین کے متعلق دیئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ بادشاہ کے دل میں آپ کی کسقدر عزت تھی۔ اگر آپ عہدہ کے خواہشمند ہوتے تو کسی وقت بھی مل سکتا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ طعنہ دیا گیا تو وہ بھی انگریزوں کی نوکری کے خواہشمند ہونے کا، جبکہ آپ مسلم نوابوں کی نوکری بھی نہ کرنا چاہتے تھے۔ "الحیاۃ" طبع کراچی ص ۲۳۸، ۲۳۹ پر لکھا ہے :

"نواب سکندر بیگم مرحومہ والیہ بھوپال اپنے مدارالمہام منشی جمال الدین مرحوم کے ساتھ دہلی آئیں اور میاں صاحب سے عہدہ قضائے ریاست کے قبول کرنے کی استدعا کی۔ مگر آپ نے ملازمت سے قطعاً انکار کر دیا اور فرمایا کہ "میں تو وہاں کا قاضی القضاۃ بن کر امیرانہ ٹھاٹھ سے مسند لگائے حاکم بنا بیٹھا رہونگا یہ غریب طلبا ء چٹائی پر بیٹھنے والے مجھ کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے ؟"

اور اسی ریاست کے مدارالمہام نے ایک مرتبہ آپ کو لکھا کہ آپ مدرسہ کے اخراجات کیلیئے بیگم صاحبہ کو لکھیں تاکہ معقول گرانٹ منظور کر دی جاسکے۔ اس کے جواب میں میاں صاحب نے جو خط لکھا وہ مکاتیب نذیریہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

"مجھے ایسی لغویات سے نفرت ہے، میں خدا کے دروازے پر بیٹھ کر پڑھاتا ہوں۔ جو یہاں لایا ہے وہی اخراجات پورے کرتا ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ڈپٹی نذیر احمد سے اس معاملے پر خفا ہوگیا تھا کہ ڈپٹی کا عہدہ نذیر احمد کو نہیں بلکہ نذیر حسین کو ملنا چاہیئے تھا۔ ایک بے بنیاد افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جبکہ دوسری جانب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد حسین بٹالوی جب میاں صاحب سے کسب فیض کرکے واپس وطن لوٹے تو ملازمت اختیار کر لی۔ میاں صاحب کو معلوم ہوا تو صرف اس قدر لکھا کہ میں نے تمہیں اس دن کیلئے پڑھایا تھا تاکہ تم پڑھ کر نوکر ہو جاؤ، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا، مولانا مستعفی ہوگئے (دیکھئے الحیاۃ بعد المماۃ) مزید برآں ڈپٹی نذیر احمد سے مخاصمت کے کیا معنی جبکہ وہ آپ کے شاگرد بھی تھے اور پروردہ بھی۔

حضرت شیخ الکل کو انگریزوں کا وفادار ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگریزوں نے انہیں شمس العلماء کا خطاب دیا۔ لیکن معترضین یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ خطاب مولانا فضل حق خیرآبادی کے بیٹے مولانا عبدالحق خیرآبادی کو بھی ملا تھا، علامہ شبلی نعمانی کو بھی ملا تھا، مولانا الطاف حسین حالی کو بھی ملا تھا اور بہت سے دوسرے لوگوں کے علاوہ علامہ اقبال کے استاد کو بھی ملا تھا۔ اسی طرح "سر" کا خطاب بھی ہندوستان کے بہت سے مسلمانوں کو ملا جن میں علامہ اقبال نمایاں ترین ہیں۔ کیا یہ لوگ سب کے سب انگریزوں کے وفادار تھے؟ ہمارے نزدیک خطاب دلیل وفاداری نہیں ہے۔ جبکہ میاں صاحب نے نہ تو حصول خطاب کیلئے کوشش کی اور نہ ہی اسے اپنے لئے وجہ عزت جانا بلکہ فرمایا کہ مجھے کوئی نذیر کہے تو کیا، شمس العلماء کہے تو کیا۔ مجھے میاں صاحب کا لقب بہت پیارا لگتا ہے جو عوام الناس نے مجھے دے رکھا ہے۔

مصنف "الحیاۃ" لکھتے ہیں کہ "خطاب ملنے سے ایک منٹ قبل تک میاں صاحب کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔"

دراصل حضرت شیخ الکل نے برصغیر سے تقلید جامد کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے اور جمود کے سرپرستوں کو آپ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ اس لئے وہ مختلف حیلے بہانوں سے آپ کے کردار و عمل میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی انہیں شاہ اسحاق کا شاگرد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ مولانا احمد علی سہارنپوری نے کیا تھا۔ اور جب ایک دفعہ دونوں بزرگوں کی بالمشافہ گفتگو ہوئی تو میاں صاحب نے سند دکھانے کے علاوہ فرمایا، "میں چپڑاس نہیں دکھاتا تم بیٹھو، میں پڑھاتا ہوں اور دیکھو کہ طریق محدثانہ رکھتا ہوں یا نہیں؟" مولانا احمد علی اس پر خاموش ہوگئے۔ لیکن علمائے احناف برابر چلاتے رہے تاآنکہ علامہ سید سلیمان ندوی نے حیاۃ شبلی میں ثابت کیا کہ شیخ الکل جناب شاہ اسحاق کے باقاعدہ شاگرد تھے۔ انہوں نے مختلف سالوں میں اور مختلف کتب کی تعلیم کے دوران،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی کہتے ہیں کہ وہ ایک خاموش مدرس تھے اور انگریزوں کے اندرونی طور پر بہی خواہ تھے۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے "ہندوستان میں وہابی تحریک" میں آپ کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیلات دیکھ مخالفین کو انگشت بدنداں کردیا ہے۔

کبھی کہتے ہیں کہ ان کے عقاید فاسد تھے اور جب آپ حج کیلئے تشریف لے گئے تو اسی بنا پر آپ کو وہاں قتل یا گرفتار کرانے کی پوری کوشش کی گئی۔ یہ تفصیلات مولانا ابوالکلام آزاد کی سوانح حیات مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے "میاں صاحب کو گرفتار کرانے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں ان کے والد مولوی خیر دین بھی شامل تھے۔ اور "بقیہ" تین افراد کے نام مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ میں لکھ دیئے تھے جو یہ ہیں:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولوی رحمت اللہ کیرانوی، مولوی عبدالقادر بدایونی۔

... اور ساتھ ہی حرمین میں آپ کی مشکلات ومصائب کی تفصیلات لکھی ہیں، حوالہ کیلئے دیکھئے اشاعۃ السنہ ۱۸۸۳ء ۱۸۸۴ء کی فائلیں۔

اس کے علاوہ اس موضوع پر مزید مواد مناظرہ مرشد آباد کی روئیداد میں دیکھا جاسکتا ہے جو مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا عبدالحق حقانی مع دیگر علماء مقلدین کے درمیان ہوا تھا۔

کبھی آپ کو حضرت شاہ محمد اسحاق کی مسند سے اٹھانے کی کوشش کرکے شاہ عبدالغنی مجددی کو زبردستی وہاں بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ عوام نے خاندان ولی اللہی کا خاندانی لقب شاہ عبدالغنی یا کسی دوسرے فرد کو نہیں بلکہ سید نذیر حسین کو دیا تھا۔ اور شاہ عبدالغنی تو ۱۸۵۷ء میں حجاز کی جانب ہجرت کرگئے تھے اور دیوبند ۱۸۶۷ء میں بنا تھا۔ اس عرصہ میں کون مسند پر براجمان رہا؟

سیدھی سی بات ہے کہ وہی شخص کہ جس کے سامنے عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی، عارف باللہ اور مولانا غلام رسول زانوئے تلمذ تہ کر رہے تھے۔ دیوبند تو دہلی سے باہر بنا اور سید نذیر حسین ۱۹۰۲ء تک ولی اللہ کے شہر دہلی میں پڑھاتے رہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ تلامذہ کی کثرت شیخ الہند کو حاصل ہوئی اور آپ ہی کو عمدہ ترین تلامذہ ملے۔ مفتی محمود صاحب دارالعلوم دیوبند نمبر ماہنامہ الرشید لاہور میں لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت ہے کہ تاریخ میں حضرت امامنا الہمام امام ابوحنیفہ کو شاگرد ملے اور پھر آپ کو یا شیخ الہند کو، فہرست دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت مدنی، حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا سندھی، حضرت مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا منصور انصاری، مولانا فضل ربی افغانستان، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد ابراہیم، مولانا رسول خان صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد الیاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاندھلوی، میاں اصغر حسین، مولانا محمد صادق کراچوی اور مولانا عزیز گل جیسی شخصیتیں آپ کو نظر آئینگی اور یہ فہرست اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں!" (ص ۴۶۵)

ہمیں حضرت شیخ الہند کے مقام و مرتبہ کا اعتراف ہے، ہم ان کے اخلاص وللہیت کے قائل ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ان سے کسب فیض کیلئے دیوبند گئے تھے۔ لیکن یہ بالکل ویسا ہی واقعہ ہے جیسے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا عبیداللہ سندھی، حضرت شیخ الکل سید نذیر حسین کے حلقۂ درس میں حاضر ہو کر ان سے کسبِ فیض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ شیخ الہند کے سامنے بیشمار حضرات نے زانوئے تلمذ تہ کیا لیکن حضرت مفتی صاحب کا فرمان غلوِ عقیدت کا نمونہ ہے۔ دنیائے اسلام میں حضرت الامام ابوحنیفہ اور شیخ الہند ہی تعداد تلامذہ اور بہترین تلامذہ ملنے کے لئے منفرد نہیں ہیں بلکہ قرونِ ماضیہ میں حضرت امام مالک (جن کے تلامذہ میں حضرت امام شافعی، یحیٰی اندلسی، حضرت امام محمد، ہارون الرشید، مامون الرشید، ہادی وغیرہ شامل ہیں)، حضرت امام بخاری، حضرت امام غزالی اور ماضی قریب کے ہندوستان میں مسند ولی اللہی پر شاہ محمد اسحاق کے ارشد تلمیذ و جانشین حضرت شیخ الکل میاں صاحب سید محمد نذیر حسین بہاری ثم دہلوی ممتاز ترین ہیں۔ تعداد تلامذہ اور خصوصیاتِ تلامذہ کے لحاظ سے پورے برصغیر میں کوئی شخصیت ان کی ہمسر نہیں ہے۔ مزید برآں یہ ان کا کمال ہے کہ میاں صاحب کا مدرسہ شخصی مدرسہ تھا۔ جس کے مہتمم، مدرس اور شیخ الحدیث وہ خود ہی تھے جبکہ دارالعلوم دیوبند ایک ملک گیر تنظیم کا مدرسہ تھا جس کے سرپرست، مہتمم، شیخ الحدیث، مفتیانِ کرام، محاسب، اور دیگر بیشمار عملہ کام کرتا تھا۔ لیکن نتائج کے اعتبار سے دارالعلوم کو مدرسہ میاں صاحب سے، جب تک میاں صاحب زندہ رہے، کوئی نسبت نہ تھی۔ میاں صاحب سے فیض یافتگان، برصغیر کے علمی افق پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی اس کہکشاں میں ہر مکتبِ فکر کے لوگ شامل ہیں۔ آج تک میاں صاحب کے تلامذہ کا صحیح شمار نہیں ہو سکا تاہم جو معلوم ہیں ان میں مفسر قرآن حافظ محمد لکھوی صاحب تفسیر محمدی پنجابی منظوم، عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی، عارف باللہ مولانا غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ، حضرت شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا محمد بشیر سہسوانی صاحب "صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الدحلان و برہان العجاب فی فرضیۃ ام الکتاب" ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مترجم قرآن، ڈپٹی سید احمد حسن صاحب احسن التفاسیر، علامہ وحید الزمان صاحب تراجم صحاح ستہ و لغات الحدیث، علامہ شمس الحق ڈیانوی صاحب غایۃ المقصود و عون المعبود، علامہ عبدالرحمان مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوری، حافظ محمد ابراہیم آروی بانی مدرسہ آرہ، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی فاتح مناظرہ مرشد آباد، مولانا محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، امام عبدالجبار غزنوی، مولانا سید عبدالواحد غزنوی، عارف باللہ محی الدین عبدالرحمان لکھوی، مولانا محمد سعید بنارسی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی، شیخ الحدیث سید امیر احمد محدث، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب تفسیر ثنائی و تفسیر القرآن . . . بکلام الرحمان، امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب شہادۃ القرآن، قاضی عبدالاحد خانپوری، مولانا شرف الدین دہلوی، مولانا فقیر اللہ مدراسی، مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی، مولانا عبدالغفار علی جان دہلوی، عارف باللہ مولانا غلام نبی سوہدروی، مولانا عبدالحق محدث ملتانی، مولانا عبدالوہاب محدث، مولانا عبدالتواب ملتانی، مولانا محمد اشرف ڈیانوی جیسے نامور شامل ہیں۔ اور اپنے علم و فضل، اخلاص و تقویٰ اور خدمات کے باعث ان میں سے کئی حضرات خود شیخ الہند سے بھی بلند تر ہیں۔ لیکن برا ہو تعصب و تنگ نظری کا کہ وہ شخصیت جس نے کامل ۶۰ برس تک دہلی میں مسندِ تدریس کو اس طرح رونق بخشی کہ اس کی زندگی میں کسی دوسرے کا وہاں چراغ نہ جل سکا، جس کے تلامذہ کی تعداد محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد ہو (جبکہ فضلاء دارالعلوم دیوبند کی تعداد پندرہ ہزار سے آگے نہیں بڑھی) اور دنیا کے ہر گوشے کے علماء جس سے کسبِ فیض کے لئے حاضر ہوئے ہوں، وقت کے اس نجم الدین کبریٰ کا نام ہمارے احباب کے حافظوں سے نکل جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com